فردوسی کے شاہنامہ میں رومانی عناصر

جناب آفتاب اختر صاحب ایم اے (لکھنؤ یونیورسٹی)

شاہنامۂ فردوسی کی ایک مبسوط اور طویل رزمیہ نظم ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ متعدد رزمیہ نظموں کا ایک قابلِ قدر مجموعہ ہے جو ایرانِ قدیم کی تاریخوں پر مبنی ہے۔ اس میں خونریز لڑائیوں، قتل و غارت، تباہی و بربادی کے واقعوں، بہادروں کی رجز خوانیوں، ایرانیوں کی کامرانیوں، اغیار کی شکستوں، لڑائی کے مناظر کی تفصیلوں، رزم میں استعمال کئے جانے والے اسلحہ وغیرہ کی خوبیوں کا بیان اور جنگی لوازمات کا شرح و بسط سے ذکر ملتا ہے، اس لئے جو شخص بھی شاہنامہ میں سے کوئی داستان منتخب کرتا ہے تو وہ رزمیہ ہی ہوتی ہے۔ آرنلڈ کو اگر کسی داستان کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا تو وہ بھی اتفاق سے ایک دلچسپ رزمیہ واقعہ "سہراب و رستم" ہی ہے جس میں ایک بہادر بوڑھا باپ (رستم) اپنے نوجوان بہادر سپوت (سہراب) سے لڑجاتا ہے گویا دو پہاڑ ہیں کہ ٹکراتے ہیں تو قیامت برپا ہوجاتی ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ ابھی تک فردوسی کو رزم نگار کے علاوہ کسی اور پہلو سے دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے اس مخصوص رنگ سے علیحدہ ہوکر اس کی کسی داستان کو مدح و ثنا یا تنقید کے لئے منتخب ہی نہیں کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ عظیم رزمیہ شاعر فردوسی کو یہ احساس تھا کہ وہ شاہنامہ جیسی ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ایک طویل رزمیہ داستان نظم کررہا ہے، اگر اس نے اس میں صرف ایک ہی طرح کی باتیں لکھیں تو سامعین کی دلچسپی کم ہوجائے گی۔ اسی خیال کے پیشِ نظر وہ رزم کے علاوہ بزم میں بھی دلچسپی لیتا ہے اور اس میں عشقیہ چاشنی کو شعوری طور پر شامل کرلیتا ہے تاکہ پڑھنے والے اس کی ہمواری اور یکرنگی سے اکتا نہ جائیں۔

مگر پھر بھی اس میں مشکل ہی سے چند ہزار اشعار ایسے ہیں جو عشق کے جذبہ سے بھرے ہوئے ہیں۔

ان اشعار میں فردوسی نے جن عشقیہ واقعوں کو پیش کیا ہے اُن میں "زال و رودابہ" "سہراب و دُختِ آزید" اور "داستان بیژن و منیژہ" ہی ہیں۔

"زال و رودابہ" میں ہمیں عشق کی دلچسپی کافی حد تک ملتی ہے، اس میں وہ اپنی بساط سے زیادہ کھلتا ہے، اور ایک رومان نگار کی طرح عاشق و معشوق کے کرداروں کا صحیح تجزیہ کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اُن کے جذبات کی صحیح ترجمانی بھی کرتا ہے لیکن پھر بھی فردوسی کا یہ کمال ہے کہ وہ آگ اور پھوس کو بے انتہا قریب لانے کے باوجود بھی کہیں ایسی آگ نہیں لگاتا جس سے اخلاق، سیرت اور شرافت کا دامن کہیں سے بھی جل سکے، بلکہ وہ تو یہاں تک احتیاط ملحوظ رکھتا ہے کہ اس آگ کو پانی کے چھینٹوں سے بلند ہی نہیں ہونے دیتا۔ بس عشق کی آنچ کی ہلکی ہلکی گرمی ہی محسوس ہونے پاتی ہے۔ وہ عاشق و معشوق کے اختلاط کو بے حد قریب سے دکھاتا ہے لیکن متانت اور سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ شبلی نے ٹھیک ہی کہا ہے:۔

"ایشیائی شاعری کا عام قاعدہ ہے کہ کسی داستان کے بیان کرنے میں حسن و عشق کا کہیں اتفاقی موقع آجاتا ہے تو اس قدر پھیلتے ہیں کہ تہذیب کی حد سے کوسوں آگے نکل جاتے ہیں۔ نظامی اور جامی جیسے مقدس لوگ اس حمام میں آکر ننگے ہو جاتے ہیں، لیکن فردوسی باوجود اس کے کہ اس کو تقدس کا دعویٰ نہیں ہے، ایسے موقعوں پر آنکھ نیچی کئے ہوئے آتا ہے اور صرف واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ایک سرسری غلط انداز نگاہ ڈالتا ہوا گذر جاتا ہے"[۵۱]

جامی کا تو یہ عالم ہے کہ جب وہ "یوسف زلیخا" جیسی مثنوی لکھتے ہیں جس میں انھوں نے خاص طور سے پاک عشق کا تصور پیش کیا ہے تو اس میں پیغمبر بننے والے کردار (حضرت یوسفؑ) کو حسن و عشق کے میدان میں لاکر کسی حد تک اس کی حرمت کو باقی نہیں رکھ پاتے۔ مثنوی کے وسط میں زلیخا کے جذبات اور عشق کا بیان کچھ ایسے بہکے ہوئے انداز میں کرتے ہیں جسے بلا شبہ عریاں بھی کہا جا سکتا ہے۔

لیکن برخلاف اس کے فردوسی جو بحیثیت رزم نگار بے حد شہرت رکھتا ہے جب داستانِ حسن و عشق کا بیان کرتا ہے تو سنبھل کر۔ ظاہر ہے اُسے اس طرح کا تجربہ بہت کم رہا ہوگا۔ کیونکہ اس کی عمر کا زیادہ تر

---

۵۱ شعر العجم۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۲۱۔

حصہ تو جنگ اور اُس کے لوازمات کی تصویر کشی ہی میں گذر گیا تھا۔ پھر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کیسے عشقیہ عنصر کو صفِ اول کے رومان نگاروں کی طرح پیش کرنے میں کامیاب ہو سکا۔

اس داستان کے علاوہ اگر "سہراب و دُخترِ آفرید" کی داستانِ عشق کا ہی جائزہ لیا جائے تو بھی ہمیں "زال و رودابہ" کے قصۂ عشق کی طرح عشق کا عنصر تو مل جائیگا لیکن کوئی خاص رومانی انداز نصیب نہیں ہوگا۔ اس میں تو فردوسی کچھ عجیب انداز اور کچھ عجیب بیزاری کے عالم میں اچانک عشق کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بہت گھبرایا ہوا ہو یا اُس نے عشق کا ذکر کرکے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہو۔ وہ اس میں نہ جانے کیوں اور کس جذبہ کے تحت ان دونوں کے عشق سے خوف زدہ ہو کر فوراً ہی ان دونوں کے عشق کو جوان ہونے سے قبل ہی فنا کی آغوش میں سُلا دیتا ہے۔

سہراب اپنے باپ رستم کی جستجو میں نکلا ہوا ہے۔ ایران پہنچ کر وہ قلعۂ سفید کا محاصرہ کرتا ہے۔ اس میں سے ایک خوبرو نوجوان برآمد ہو کر سہراب سے جنگ کرتا ہے۔ دیر تک جنگ رہتی ہے اور کافی پینترے بازی کے بعد سہراب اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، جب وہ اس کے چہرہ سے نقاب ہٹاتا ہے تو وہ شخص مرد نہیں بلکہ عورت ہوتی ہے۔ عورت بھی کیسی حسین و جمیل، سہراب جیسے نومشق اور بہادر خوبرو نوجوان کا دل لوٹنے کے لئے کافی ــــ۔ سہراب دل دے بیٹھتا ہے اور جنگ بھول جاتا ہے۔ میدانِ جنگ اور جنگی لوازمات سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے اور وہ عشق کی دنیا میں رہنے لگتا ہے۔ فردوسی اپنے مخصوص انداز میں مندرجۂ ذیل اشعار میں اس کی عکاسی کرتا ہے۔

همی گفت ازاں پس دریغا دریغ — که شد ماهِ تابنده در زیرِ میغ
غریب آهوئے آمدم در کمند — که از بند جست و مرا کرد بند
زہے چشم بندے که آں پُر فسوں — به تیغم نه خست و مرا ریخت خوں
ندانم چه کرد آں فسوں گر به من — که ناگه مرا بست راهِ سخن
به زاری مرا خود بباید گریست — که دلدار خود را نه دانم که کیست
همی گفت و میسوخت از غم بسے — نمی خواست رازش بداند کسے

ولے عشق پنہاں نماند کہ راز | بردم نماید ہمی اشک باز
غمِ جاں برآرد خروش از دروں | اگرچند عاشق بود ذوفنوں

لیکن اس کے فوراً بعد ہی فردوسی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ اس عشقیہ چاشنی کو ختم کر دینے کے لئے ہومان کی زبانی سہراب کو یہ نصیحت کرتا ہے۔

فریبِ پری پیکرانِ جواں | نخواہد کسے کو بود پہلواں
نہ رسمِ جہانگیری و سروری است | کہ از بہر ما ہے بباید گریست
ز توراں بہ کارے بروں آمدیم | شناور بدریائے خوں آمدیم
اگرچند آں کار باشد بہ کام | ولے ہست در پیش رنجِ تمام
بباید شہنشاہِ کاؤس و طوس | چو رستم کہ بر شیر دارد فسوس
توئی مردِ میدانِ ایں سروراں | چہ کارت بہ عشقِ پری پیکراں
تو کارے کہ داری نہ بردی بسر | چرا دست بازی بہ کارِ دگر
بہ نیروئے مردی جہاں را بگیر | ز شاہاں بدست آر تاج و سریر
چو کشور بدستِ تو آید فراز | بہر جائے خوباں برندت نماز

اس کے بعد فردوسی، سہراب کو عشق کے جادہ سے ہٹا کر تلواروں کی چھاؤں میں دوبارہ لے آتا ہے۔

سہراب کو خود اپنی اس غلطی کا احساس ہو جاتا ہی اور وہ ہومان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہتا ہے۔

بگفت اے سرِ نامدارانِ چین | بگفتارِ خوبت ہزار آفریں
شد ایں گفتِ تو داروی جانِ من | کنوں با تو نو گشت پیمانِ من

اس کے بعد فردوسی، سہراب کے منہ سے یہ شعر

بگفت ایں و دل راز دلبر بکند | برآمد بر افرازِ تختِ بلند

ادا کروا کے اس رومانی قصّہ کا بھی اچانک خاتمہ کر دیتا ہے۔

لیکن ان عشقیہ قصّوں کے برخلاف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فردوسی "داستانِ بیژن و منیژہ"

میں ایک خالص رومانی داستان کی تشکیل کرتا ہے، پورے شاہنامہ میں " زال و رودابہ" کے قصہ کے علاوہ جس میں سرخی کی مناسبت سے ان دوہی کرداروں کے ارد گرد مضبوطی سے عشق و محبت کا تانا بانا بُنا گیا ہے۔ اگر کوئی اور ایسی دوسری داستان ملتی ہے تو وہ صرف " بیژن و منیژہ " ہی ہے جس کا نام کسی حد تک " یوسف زلیخا " " شیریں فرہاد " " لیلیٰ مجنوں " ہی کی طرح ہے۔

اس داستان کی سرخی کی مناسبت سے فردوسی نے اس کا پورا پلاٹ تیار کیا ہے جس کا خمیر خالص رومانی ہے۔ ویسے اس میں جنگ کے مناظر بھی ہیں، لیکن اُن کا شمار صرف امدادی واقعہ کی حیثیت سے کرنا چاہیئے۔ اس میں اس کی کوئی علیحدہ یعنی جُداگانہ اہمیت نہیں ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اگر اس عشقیہ داستان میں سے اتنے حصہ کو علیحدہ بھی کر دیا جائے تب بھی اس کی اہمیت کم نہیں ہوتی، بلکہ یہ اسی طرح مکمل رہے گا۔ فردوسی نے اس میں رزم کا بیان تو محض زیبِ داستاں کے لئے کیا ہے، جس کا اندازہ ذیل میں دیئے گئے قصہ کے مختصراً پلاٹ سے ہو سکے گا۔

فردوسی نے اس داستان میں ایک ایسے نوجوان بہادر کو پیش کیا ہے جس کے چہرہ پر ابھی اچھی طرح خط بھی نہیں نکل سکا ہے۔ یہ نوجوان اپنی جوانی کے نشہ میں سرشار اور بہادری کے جوش میں بھرا ہوا کیخسرو کے دربار میں اپنے باپ گیو کے منع کرنے کے بعد دشتِ ارمن میں جنگلی سوروں کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کرتا ہے۔ بادشاہ خوش ہو کر اس کے ساتھ ایک جہاندیدہ سردار گرگین کو کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کی رہنمائی کرے، گرگین دغاباز ثابت ہوتا ہے۔

بیژن جنگل جاکر سوروں کو ختم کر دیتا ہے، اُن کے دانتوں کو بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے جمع کر لیتا ہے۔ لیکن گرگین، بیژن کی اس کامیابی پر دل ہی دل میں جلتا ہے اور اُسے پھنسانے کے لئے توران کی سرحد پر واقع ایک ایسی جشن گاہ کے بارے میں بتاتا ہے جہاں تورانی حسین عورتوں کے ہمراہ افراسیاب کی بیٹی منیژہ بھی آیا کرتی ہے۔ ایک نوجوان کو اتنا بڑا لالچ دلانے کے بعد وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہاں چل کر کچھ عورتوں کو پکڑ لائیں اور بادشاہ کے حضور میں پیش کریں۔ بادشاہ خوش ہوگا۔

بیژن نوجوان تھا اور بہادر بھی، وہ ادھر کا رُخ کرتا ہے۔ گرگین ساتھ نہیں جاتا۔ بیژن تنہا ہی

اس جشن گاہ میں واقع ایک چشمہ پر پہونچتا ہے، وہاں کی رنگینیوں کو دیکھ کر وہ دنگ رہ جاتا ہے۔ چہار طرف حسینوں کا جمگھٹ ہے۔

منیژہ، بیژن جیسے خوبرو نوجوان کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں اس کے تیر نظر کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ دایہ کے ہاتھوں بیژن کے پاس پیغام بھیجتی ہے کہ وہ اپنے بارے میں سب کچھ بتائے کہ وہ کون ہے؟ بیژن اسے سب کچھ بتا دیتا ہے اور دایہ کو اپنی دلی کیفیات کو منیژہ تک پہونچانے کے لئے مال و زر کا لالچ بھی دیتا ہے۔

منیژہ چونکہ بالکل ہی آہوئے رم خوردہ ہو رہی تھی وہ اس کے عشق میں بری طرح گرفتار ہو چکی تھی، اس لئے وہ ملاقات کے بہانہ بیژن کو چشمہ پر بلاتی ہے، جب وہ وہاں سے لوٹنے لگتا ہے تو منیژہ کے دل پر مفارقت کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کو بیہوش کر دیتی ہے اور اسی حالت میں ایک پردہ دار عماری میں لٹا کر توران اپنے محل میں لے جاتی ہے۔

محل میں اُسے کسی روغن کے ذریعہ ہوش میں لاتی ہے اور محفل بزم آراستہ کرتی ہے۔ ان رنگینیوں اور دلچسپیوں کی خبر ایک ملازم کے ذریعہ افراسیاب کو ہو جاتی ہے وہ بہت برہم ہوتا ہے اور گرسیوز کے ذریعہ قید کروا کے اپنے پاس بلاتا ہے۔ کچھ آپس میں تلخ کلامی کے بعد وہ بیژن کو سولی کا حکم دے دیتا ہے۔ لیکن بروقت تورانی دربار کا ایک اہم سردار پیران ویسہ وہاں پہونچتا ہے اور بادشاہ کو ایرانیوں کے انتقام سے آگاہ کر کے صرف اسے قید کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ بادشاہ اسے ایک تاریک کنوئیں میں قید کر دیتا ہے۔

افراسیاب اپنی لڑکی منیژہ سے بھی اتنا برہم ہوتا ہے کہ اُسے بھی سزا کے طور پر گھر سے نکال دیتا ہے، تمام شاہی اعزازات کو چھین لیتا ہے اور منیژہ مہر و وفا کی مجسمہ بنی اپنے محبوب کی خاطر ان تمام عطوفات کو ٹھکرا کر اس کنوئیں پر ہی رہنے لگتی ہے۔ دن بھر بھیک مانگتی ہے۔ اور بیژن کو کھلاتی ہے۔ دوسری طرف گرگین جب بیژن کی کوئی کوئی خبر نہیں پاتا تو ایران واپس جا کر اس کے نہ ملنے کا فرضی قصہ سناتا ہے کیخسرو، بیژن کی تلاش میں لوگوں کو بھیجتا ہے لیکن گرگین کو گرفتار کر لیتا ہے۔

آخرکار رستم کو مدد کے لئے بلایا جاتا ہے۔ وہ تاجروں کا لباس پہن کر تاجروں کا قافلہ بناکر توران روانہ ہوتا ہے۔ توران میں منیژہ اس کے پاس پہنچتی ہے اور تمام حالات سے اُس کو باخبر کردیتی ہے رستم اُس کے ہاتھ جو کھانا بھیجتا ہے اس میں نشانی کے طور پر اپنی انگوٹھی بھی بھیجدیتا ہے۔ بیژن انگوٹھی دیکھ کر باغ باغ ہوجاتا ہے اس کی مرجھائی ہوئی طبیعت پر بہار چھا جاتی ہے۔ جب وہ قہقہہ لگانے لگتا ہے تو منیژہ اُس سے اس تبدیلی کی وجہ دریافت کرتی ہے۔ وہ پہلے تو اُسے اس لئے راز بتانے سے انکار کرتا ہے کہ وہ ایک عورت تھی۔ اور عورت پیٹ کی ہلکی ہوتی ہے لیکن بعد میں اس سے وعدہ لے کر وہ سب کچھ بتاکر رستم کے پاس بھیجتا ہے۔

جب وہ رستم کے پاس پہنچتی ہے تو رستم یہ سوچ کر کہ اب تو اسے سب کچھ معلوم ہی ہوگیا ہے اپنے مشورہ میں شامل کرلیتا ہے اور شب میں اس کنوئیں پر آگ جلانے کا حکم دیتا ہے تاکہ جب وہ رات میں جائے تو آگ سے جگہ کو پہچان لے۔

منیژہ رستم کے مشورہ پر عمل کرکے رات میں کنوئیں کے پاس آگ روشن کرتی ہے اور رستم وہاں پہنچ کر اکوان دیو کے پتھر کو ہٹاکر بیژن کو قید سے رہائی دلاتا ہے۔ پھر وہ اپنے تاجرانہ لباس کو اتار کر اپنے اصلی لباس میں افراسیاب کے محل پر جاکر اس کو مقابلہ کے لئے پکارتا ہے۔ افراسیاب اپنی موت کو سر پر کھڑا دیکھ کر فرار ہوجاتا ہے۔ رستم خوب لوٹ مار کرتا ہے۔ جب وہ ایران واپس ہورہا ہوتا ہے تو افراسیاب اس پر حملہ کرتا ہے۔ دونوں میں خوب جنگ ہوتی ہے لیکن افراسیاب کی شکست ہوتی ہے۔

جب یہ لوگ بیژن اور منیژہ کے ساتھ ایران واپس پہنچتے ہیں تو جشن منایا جاتا ہے۔ سب کو ان کے مرتبہ کے مطابق انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے لیکن کیخسرو بیژن کو جو انعام دیتا ہے وہ سب سے قیمتی اور بیش بہا ہوتا ہے۔ بیژن کو منیژہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سونپ دی جاتی ہے۔

اس داستان میں رستم و افراسیاب کی جنگ کا منظر جس انداز میں پیش کیا گیا ہے اس سے صرف یہی اندازہ ہوتا ہے کہ فردوسی کا مزاج رزمیہ تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی رزمیہ سے علیحدہ ہوکر کچھ سوچنا پسند نہیں کرتا تھا۔ فردوسی کی اسی خوبی نے اُسے صفِ اوّل کے رزمیہ نگاروں۔ ہومر۔ کالیداس۔ اور

ملٹن کے مقابل پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رزم کا مردِ میدان تھا وہ بزم میں جمتا ہی نہیں۔

لیکن اس کے پورے شاہنامہ میں "داستانِ بیژن و منیژہ" ہی ایک ایسی دلچسپ کہانی ہے جسے خالصتاً رومانی کہا جا سکتا ہے، جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رومانی واقعات کو بھی بڑے ہی ستھرے انداز میں پیش کرنے کے فن سے اچھی طرح واقف تھا۔ اگر اس داستان کو شاہنامہ سے علیحدہ کر کے جانچا جائے تو ہمیں ایک علیحدہ رومانی مثنوی کے روپ میں نظر آئے گی۔

فردوسی نے اس کا پورا پلاٹ بڑی چابکدستی سے رومانی بنایا ہے۔ کہانی کا خمیر ہی عشقیہ ہے، اس کا انجام ایک رومانی طربیہ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اس رومانی کہانی میں جنگ بھی ہوتی ہے، عشق کی راہ میں دشواریاں بھی حائل ہوتی ہیں۔ آسمانِ کج رفتار اپنی چالبازیوں سے باز بھی نہیں آتا ہے۔ کینہ ساز گرگین ہیرو کو ناکام بنانے کے درپے نظر آتا ہے۔ عاشق کو محبوبہ کی خاطر مصائب کا شکار بھی ہونا پڑتا ہے لیکن محبوبہ اس کا بدلہ خود قربانیاں پیش کر کے ادا کرتی ہے اور آخر تک مہر و وفا کی دیوی بنی ہوئی عشق کی گلخن میں تپتی رہتی ہے۔

اس رومانی واقعہ کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب بیژن جنگلی سوروں کا شکار کرنے کے بعد گرگین کے مشورہ سے دشتِ ارمن میں تورانی دوشیزاؤں کا جشن دیکھنے کے لئے جاتا ہے، وہاں منیژہ اس کو پہلی ہی نظر میں دل دے بیٹھتی ہے۔ نامہ و پیام ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے دامِ عشق کے صید ہو جاتے ہیں۔

اس پلاٹ میں فردوسی یہاں تک تو قصّہ کو بڑی سادگی سے نبھاتا ہے لیکن قصّہ کو دلچسپ بنانے کے لئے اور اس میں سسپنس پیدا کرنے کے لئے ایک اچھے نقطۂ عروج (کلائمکس) کا اضافہ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ جب بیژن اپنی محبوبہ منیژہ کے محل میں دادِ عیش دینے میں مشغول ہوتا ہے اس کی خبر منیژہ کے باپ شاہ افراسیاب کو ہو جاتی ہے۔

یہاں سے قصّہ کے سسپنس کا ارتقا شروع ہوتا ہے اور اصل کلائمکس کو مدد دینے کے لئے وہ ایک

دوسرے معاون اور چھوٹے کلائمکس کا بھی یہ اضافہ کرتا ہے کہ بیژن تنہا اور نہتا ہونے کے باوجود بھی افراسیابی سردار گرسیوز پر خنجر تان لیتا ہے۔ یہاں سے قصّہ میں ایکشن (عمل) تیزی سے بڑھنا شروع ہوتا ہے اور غیر متوقع طور پر بیژن، گرسیوز کے جال میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس انجام سے قاری کے ذہن پر ایک شدید جھٹکا لگتا ہے، وہ چونکتا ہے اور فطرتاً اس کے ذہن میں یہ جاننے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

لیکن فردوسی کو تو ابھی اپنے فن کا اور مظاہرہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے وہ قصّہ کو اور زیادہ جاندار بنانے اور اس میں قوتِ عمل کو اور تیز کرنے کی خاطر قیدی بیژن اور شاہ افراسیاب کے درمیان کچھ ایسے تلخ مکالمات پیش کرتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب اس کی جان کی خیر نہیں اور انجام بھی متوقع ہوتا ہے یعنی اُسے سُولی کا حکم ملتا ہے۔

اس کے بعد ایک بار اور قاری کے ذہن میں تجسّس کی فضا پیدا ہوتی ہے کہ دیکھیں اب اس کا انجام کیا واقعی المیہ پر ہوگا۔ سولی تیار ہے۔ حکم ہونے ہی والا ہے کہ اسی لمحہ افراسیابی دربار کا ایک عقلمند سردار پیران ویہ ادھر سے گذرتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اسے سخت تعجب ہوتا ہے اور سولی کے حکم کو بادشاہ سے کہہ کر منسوخ کروا دیتا ہے۔ یہاں پھر قاری کے ذہن پر جھٹکا لگتا ہے اور جب بیژن کو عمر قید کی سزا ملتی ہے تو قصّہ میں ایک طرح کا ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ یہ عشقیہ داستان المیہ بننے سے یکبارگی رُک جاتی ہے اور یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب بیژن یونہی جیل میں سڑتا رہے گا اور افراسیاب اپنی بیٹی منیژہ کی شادی کسی اور سے کر دے گا لیکن فردوسی کا ذہنِ رسا کب عام راستہ پر ٹھہرنے والا تھا وہ فوراً منیژہ کو بھی افراسیاب کو ناراض کرنے کے بعد شاہی محل سے نکلوا دیتا ہے۔ اب یہ بے یار و مددگار لڑکی ہوتی ہے۔ جنگل کی تنہائیاں اور وہ کنواں جس میں بیژن قید ہے۔

رستم سوداگر کے بھیس میں جب ایران میں داخل ہوتا ہے تو لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھتے ہیں، وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اب شاید کہانی کا انجام المیہ پر نہ ہوگا کیونکہ ہفت خواں سر کرنیوالا نامی گرامی پہلوان رستم ایرانی سورما بیژن کی مدد کے لئے آگیا ہے۔ یہاں فردوسی بہت جلد رستم کے ہاتھوں بیژن کو کنوئیں کی قید سے رہائی دلا کر ناظرین کو یہ یقین دلا دیتا ہے کہ قصّہ طربیہ ہی پر ختم ہوگا۔

اگر دیکھا جائے تو یہ رومانی داستان یہیں پر ختم ہو جاتی ہے اور قصہ طربیہ ہی رہتا ہے لیکن یہ داستان فردوسی لکھ رہا تھا جس نے رستم جیسے بہادر پہلوان کو ایران سے بلایا ہے اس لئے یہ ناممکن تھا کہ رستم آتا اور جنگ نہ کرتا۔ اگر رستم جنگ کے بغیر ہی کامرانی سے واپس لوٹ جاتا تو رستم کی اہمیت کو وہ کیسے منواتا۔ فردوسی سے ضبط نہ ہو سکا اس نے آخر میں رستم کو اس کے اصلی روپ میں پیش کر کے اپنی فطری دلچسپی کو یہاں بھی ظاہر کر دیا۔

ورنہ یہ بات صاف ہے کہ اس داستان میں اگر یہ حصہ نہ بھی ہوتا تو بھی اس کی دلچسپی میں کوئی کمی نہ آتی۔ دراصل یہ فردوسی کی ایک ایسی رومانی داستان ہے جس میں عشق و عاشقی کے ساتھ جنگ کے مناظر بھی آتے ہیں اس میں فردوسی نے عشق کی وفا کا مسلسل تجزیہ پیش کیا ہے جو ہر طرح سے اپنی جگہ پر مکمل ہے۔

پورے شاہنامہ میں بس یہی ایک رومانی داستان ہے جسے ہر طرح سے مکمل رومانی مثنوی کہا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ فردوسی کے عشقیہ جذبات میں عشق کی گرمی حرارت اور وہ تپش نہیں ملتی جس سے پڑھنے والوں کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو جائے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کا مزاج ہی رزمیہ تھا اور جنگی واقعات نے اس کے دل کو اس قدر زیادہ مسخر کر لیا تھا کہ وہ رزم کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے اس کے شاہنامہ میں جہاں بھی بزمیہ واقعات کا ذکر آتا ہے تو رزم کے پردے میں۔ ہمیشہ اس کے دوسرے جذبات پر رزم کا جذبہ حاوی رہتا ہے اور وہ یہاں آکر ہمیں ایک بے بس انسان نظر آتا ہے۔

اس کے علاوہ شاہنامہ میں عشقیہ واقعات کی کمی کی یہ بھی وجہ ہے کہ وہ شاہنامہ میں صرف رزمیہ واقعات ہی کو نظم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس لئے بیشتر اس میں جنگی مناظر کی تصویرکشی ہی نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں لوگ چشم میگوں کی ایک گلابی سے ہمیشہ شرابی نہیں رہتے۔ معشوقوں کی ابروئیں کٹار بن کر عاشقوں کے دل کے پار نہیں ہوتیں بلکہ اس میں تیر و تبر، شمشیر و سناں ہی چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس میں عشق و عاشقی کی دل کو گرما دینے والی وارداتیں کہاں؟ عاشق و معشوق کے راز و نیاز کا گذر کیسے؟ آخر تیر نظر چلے تو کیسے؟ یہ بہادروں کے قصے ہیں۔ میدان جنگ میں پرورش پائے ہوئے بہادروں کے کارنامے ہیں بھلا ان سورماؤں کو اپنے بہادری کے کارناموں ہی سے کہاں فرصت تھی کہ وہ عشق کے چکر میں پھنستے اور وصالِ یار سے ہمکنار ہوتے یا ہجرِ یار میں آنسو بہاتے۔